رضوان اللہ

تعدد ازواج کی آیت کا مطالعہ

(۱)

زمین پر انسانی آبادی کس طرح شروع ہوئی، اس کے بارے میں ایک سے زائد اِمکانات فرض کیے جا سکتے ہیں۔ قرآن کے مطابق یہ سلسلہ ایک مرد و عورت، یعنی آدم وحوا سے شروع ہوا جو اپنی ساخت میں مختلف ہونے کے باوجود ایک ہی جنس سے تعلق رکھتے تھے۔[1] اس آغاز کے بعد آبادی بڑھنے کا ایک طریقہ یہ ہو سکتا تھا کہ مرد و عورت آزادانہ طور پر باہمی ملاپ کرتے، مگر انسان چونکہ معاشرت پسند کے ساتھ ساتھ اخلاق پسند بھی واقع ہوا ہے، اس لیے اُس نے ایسا نہیں کیا اور بالعموم آپس میں جوڑے بنا کر اس عمل کو پورا کیا۔

بہت سے مرد و عورت موجود ہوں تو ان کے درمیان میں جوڑ ا بنانے، یعنی نکاح کرنے کی ایک سے زیادہ صورتیں ممکن ہو سکتی ہیں:

۱۔ ایک مرد اور ایک عورت

۲۔ کئی مرد اور کئی عورتیں

۳۔ ایک عورت اور کئی مرد

۴۔ ایک مرد اور کئی عورتیں[2]

انسان کی طبیعت اور اس کے مزاج کو سامنے رکھا جائے اور نکاح کے نتیجے میں بننے والے خاندان کا بھی لحاظ

۱؎ النساء ۴: ۱۔

۲؎ اصطلاح میں ان چاروں صورتوں کو بالترتیب یوں بیان کیا جاتا ہے: Monogamy, Polyamory, Polyandry and Polygny

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

رہے تو ان تمام صورتوں میں پہلی صورت ہی موزوں ترین ہے۔ اس لیے کہ نکاح صرف خواہشات کی تسکین اور نسل بڑھانا نہیں ہے، بلکہ یہ دو ہستیوں کا میل اور خاندان کا ایک ادارہ بھی وجود میں لانا ہے۔ اس کے نتیجے میں جذباتی اور اخلاقی قدریں پیدا ہوتیں اور فریقین کے مابین کچھ نئے رشتے قائم ہوتے ہیں۔ پھر ان دونوں سے اولاد پیدا ہوتی ہے کہ جن کے یہ ماں اور باپ قرار پاتے ہیں۔ انھیں اولاد کی پرورش کرنی ہے، ان کی تربیت کی ذمہ داری اٹھانی ہے اور اس کے لیے ایثار اور محبت کی بہت سی مثالیں بھی رقم کرنی ہیں۔ یہ تمام چیزیں ملحوظ رہیں تو ایک مرد کا ایک عورت سے نکاح ہی قابل رشک ٹھیرتا اور اسی کے ذریعے سے صالح معاشرت وجود پذیر ہوتی ہے۔ لہٰذا، پروردگار عالم نے بھی جب آدم کی تخلیق کی تو اس کے لیے دو تین اور چار نہیں، بلکہ ایک حوا بنائی، جیسا کہ قرآن کریم اور دیگر الہامی صحیفوں میں اس کا ذکر موجود ہے[3]۔ بلکہ انبیاے کرام کے بارے میں بھی دستیاب معلومات یہی بتاتی ہیں کہ آدم سے لے کر آخری نبی تک، ہر ایک نے اپنا گھر بسانے کے لیے ایک وقت میں ایک ہی عورت سے شادی کو ترجیح دی۔

جہاں تک دوسری اور تیسری صورت کا تعلق ہے تو وہ ان سب حکمتوں سے متصادم ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا۔ جب مرد و عورت ایک ہی وقت میں کئی کئی بندھنوں میں بندھے ہوں گے تو اس کے نتیجے میں ایک خاندان کے بن جانے کی توقع کرنا بالکل عبث ہوگا۔ اسی طرح ایک عورت جب کئی مردوں کے ساتھ نکاح کرے گی تو اب بھی نہ ایک خاندان بن پائے گا اور نہ وہ اُن ذمہ داریوں کو صحیح طور پر ادا کر پائے گی جو مرد و عورت کے خلقی تفاوت کی بنا پر اسی کو ادا کرنی ہیں اور کسی دوسرے خاندان کو شامل کیے بغیر ادا کرنی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں صورتوں کو خدا کے دین میں کبھی بھی جائز نہیں ٹھیرایا گیا[4]۔

اب رہی آخری صورت تو اس کے بارے میں یہ تو طے ہے کہ یہ کوئی مطلوب صورت نہیں، تاہم تاریخ شاہد ہے کہ ہر زمانے میں کم یا زیادہ، اس کا رواج موجود رہا۔ اس کا باعث بعض اوقات تمدن کی ضرورتیں ہوئیں اور کبھی لوگوں کے سیاسی، نفسی اور سماجی مصالح اس کے داعی ہوئے۔ بلکہ بعض انبیا علیہم السلام کے ہاں اس معاملے میں جو استثنا دکھائی دیتا ہے تو اس کے پیچھے بھی کچھ اسی طرح کی مصلحتیں کارفرما ہیں۔ مثال کے طور پر، سیدنا ابراہیم کی دوسری شادی اولاد کے حصول کے لیے اور ان کی پہلی زوجہ، حضرت سارہ کی خواہش پر ہوئی۔ سیدنا یعقوب کے معاملات بھی

---

۳ کتاب پیدایش باب ۲ آیت ۲۲۔

۴ اور اس تیسری صورت کے بارے میں واضح طور پر ممانعت بھی بیان کر دی گئی: النساء ۴: ۲۴۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ذرا سے فرق کے ساتھ اسی طرح وقوع پذیر ہوئے۔[5] حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سے زائد نکاح کیے تو اس کے پیچھے بھی نفسانی خواہشات اور ترغیبات نہیں تھیں، بلکہ آپ کی اخلاقی اور نبوی حیثیت اور اس سے پیدا ہو جانے والے بعض تقاضے اس کا باعث تھے۔[6] غرض یہ کہ اس طرح کی بعض وجوہات تھیں کہ کسی الہامی کتاب میں تعدد ازواج پر کبھی کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی۔ چنانچہ آج بھی دیکھ لیا جا سکتا ہے کہ تورات ہو یا انجیل اور زبور، ان سب میں اس کے متعلق کوئی ممانعت موجود نہیں ہے اور یہ سب اس بارے میں بالکل خاموش ہیں۔

قرآن مجید نے بھی دیگر الہامی کتابوں کی طرح خاص اس مسئلے پر کوئی کلام نہیں کیا، نہ اس کے اثبات میں اور نہ اس کی نفی میں۔ تاہم اس کے نزول کے وقت حالات کچھ ایسے پیدا ہوئے کہ یہ مسئلہ ضمنی طور پر زیر بحث آگیا۔ قرآن کا وہ مقام کہ جس میں اس کا ذکر ہوا، ذیل میں ہم اس کا تفصیل سے مطالعہ کرتے ہیں:

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَلَّا تَعُوْلُوْا. (النساء۴: ۳)

”اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے معاملے میں انصاف نہ کر سکو گے تو جو عورتیں تمھارے لیے موزوں ہوں، ان میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کر لو۔ پھر اگر ڈر ہو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی بیوی رکھو یا پھر لونڈیاں جو تمھارے قبضے میں ہوں۔ یہ اس کے زیادہ قریب ہے کہ بے انصافی سے بچے رہو“

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

یہ آیت اُس سلسلۂ کلام میں آئی ہے جس میں یتیم بچوں کی نگہداشت کے بارے میں ان کے سرپرستوں کو کچھ ہدایات دی گئی ہیں۔ مثلاً، ان بچوں کی دیکھ بھال کس طرح کی جائے، ان کے مال کے بندوبست میں کس درجہ احتیاط اور خیرخواہی سے کام لیا جائے اور ان کے معاملات میں جو مسائل پیدا ہو سکتے ہیں، ان کا تدارک کس طرح ہو۔ اسی رعایت سے یتیم بچوں کے ان سرپرستوں سے خطاب ہے جو جی جان سے ان کی دیکھ بھال کرنا چاہیں، لیکن غیر شادی شدہ ہونے کی وجہ سے یا اپنے اہل و عیال اور ان کی ذمہ داریوں کی وجہ سے ایسا نہ کر سکیں۔ انھیں ہدایت فرمائی ہے کہ وہ سہولت اور آسانی کے پیش نظر ان یتیموں کی عورتوں کو، جو ان کی مائیں بھی ہو سکتی ہیں اور شادی کے قابل ان کی بہنیں بھی، اپنے ساتھ شریک کر لیں۔[7] اس طرح کہ ان میں سے جن کو موزوں خیال کریں، ان دو دو، تین تین اور چار چار

---

۵ کتاب پیدایش باب ۱۶ آیت ۲-۳، کتاب پیدایش باب ۲۹ آیت ۲۸-۳۰۔ باب ۳۰ آیت ۳-۴، ۹۔

۶ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاحوں کے بارے میں تفصیل اس مضمون میں دیکھ لی جا سکتی ہے: ازواج مطہرات، از جاوید احمد غامدی۔

سے نکاح کر لیں۔

یہ آیت کا سیدھا اور صاف مفہوم ہے جو بادی النظر میں ہمارے سامنے آتا ہے اور اسے مولانا اصلاحی نے ''تدبر قرآن'' میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔[۸] لیکن بعض کبار مفسرین اس آیت کو مختلف طریقے سے دیکھتے اور اس سے ہٹ کر اس کا مطلب بیان کرتے ہیں۔ ان میں سے چند معروف مطالب کا ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں:

۱۔ زمانۂ جاہلیت میں کچھ لوگ اپنے زیر کفالت یتیم بچیوں سے نکاح کر لیتے تھے۔ ذہن میں یہی ہوتا کہ ان کے حسن و جمال اور مال سے تو فائدہ اٹھائیں گے، مگر ان کے واجبی حقوق ادا نہ کریں گے۔ اس پر ارشاد ہوا کہ اگر اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے ساتھ نکاح کر کے انصاف نہ کر سکو گے تو دوسری عورتیں دنیا میں موجود ہیں، ان میں سے جو تمھیں پسند آئیں ان کے ساتھ نکاح کر لو۔ گویا اصل بات یتیم بچیوں پر ظلم نہ کرنے کی ہے اور اس کا حل یہ تجویز کیا گیا ہے کہ ان کو چھوڑ کر دوسری عورتوں سے شادی کر لی جائے۔

۲۔ ایک ایک شخص دس دس بیویاں کر لیتا تھا۔ اس سے جب ان کے مصارف بڑھ جاتے تو وہ مجبور ہو کر یتیموں کے حقوق پر دست درازی کرتا۔ اس پر فرمایا کہ اگر اس ناانصافی کا تمھیں اندیشہ ہو تو ایک سے لے کر چار تک اتنی بیویاں کرو جس کے ساتھ تم عدل پر قائم رہ سکو۔ یعنی اس رائے میں بھی اصل زور یتیموں پر ظلم نہ کرنے پر ہے، مگر اس کا حل یہ تجویز کیا گیا ہے کہ وہ چار سے زیادہ شادیاں نہ کریں۔

۳۔ عہد جاہلیت میں یتیموں کے حقوق کے بارے میں لوگ متنبہ تھے، مگر عورتوں کے معاملات میں بے پروا تھے۔ انھیں حکم ہوا کہ جب تم یتیموں کے ساتھ ناانصافی کرنے سے ڈرتے ہو تو عورتوں کے ساتھ ناانصافی کرنے سے بھی ڈرو۔ دوسرے لفظوں میں، مسئلہ یہ نہیں ہے کہ یتیموں پر کوئی ظلم ہو رہا ہے، بلکہ ان پر ظلم کرنے سے لوگ بچتے ہیں، چنانچہ اس بات کا حوالہ دے کر فرمایا ہے کہ تم عورتوں پر بھی ظلم کرنے سے رک جاؤ۔

آیت کے بارے میں چند ایک چیزوں کا خیال رہے تو آسانی سے ان سب آرا کی کمزوری معلوم ہو جاتی ہے اور واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں سرے سے نہ یتیموں پر کسی ظلم کے ہونے یا نہ ہونے کا بیان ہے اور نہ خاص ان کی عورتوں

۷؎ گویا یہ وہی بات تھی جس کا مجمل بیان اس سے پہلے ہو چکا تھا: 'وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ'، یعنی اگر تم ان یتیموں کو اپنے ساتھ شامل کر لو تو وہ تمھارے بھائی ہیں۔ البقرہ ۲: ۲۲۰۔

۸؎ آیت کے اس مفہوم کو بعد ازاں جاوید احمد غامدی صاحب نے ''البیان'' میں بھی بیان کیا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کے بجاے دوسری عورتوں کے مسائل ہی زیر بحث ہیں:

پہلی چیز یہ واضح ہونی چاہیے کہ آیت میں لفظ 'یَتَامٰی' اور 'اِقْسَاط' کے معنی کیا ہیں۔ 'یَتَامٰی' عربی زبان کا معروف لفظ ہے۔ اس سے مراد وہ نابالغ بچے ہوتے ہیں جن کے باپ فوت ہو چکے ہوں، قطع نظر اس سے کہ وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں۔ قرآن میں یہ لفظ اس صورت میں بہت سی جگہوں پر آیا ہے اور ہر جگہ اسی معنی میں آیا ہے، لہٰذا اس کے اصل معنی سے صرف نظر کر کے اس سے صرف یتیم لڑکیوں کو مراد لینا صحیح نہیں ہے۔ تاہم اس پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک لفظ بعض اوقات اپنے اندر تخصیص بھی پیدا کر لیتا ہے اور اپنے دیگر افراد کو چھوڑ کر کسی ایک کے ساتھ خاص ہو جایا کرتا ہے، اس لیے اگر 'یَتَامٰی' سے مراد صرف یتیم لڑکیاں لے لی جائیں تو زبان کے لحاظ سے یہ غلط نہیں ہو گا۔ یہ بات صحیح ہے، مگر اس کے ساتھ یہ بھی واضح رہے کہ لفظ میں پیدا ہو جانے والی تخصیصات کلام کے اندر موجود کسی نہ کسی قرینے کی محتاج ہوتی ہیں اور زیر بحث آیت میں اس طرح کا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو قرائن اس کے خلاف ہیں اور اس کی تعمیم کا تقاضا کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک آیت متصل پہلے 'وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ' میں یہی لفظ آیا ہے اور سب کے ہاں مسلم ہے کہ یہ وہاں اپنی تعمیم میں ہے، یعنی یتیم بچوں کے مال ان کے حوالے کر دو۔ چونکہ اس پر ایک الف لام ہے اور زیر بحث آیت 'وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى' میں بھی اس پر الف لام آیا ہے، اس لیے یہاں معرفہ کا اعادہ خود اس بات میں مانع ہے کہ کسی قرینے کے بغیر ان دونوں کے الگ الگ معنی مراد لے لیے جائیں۔ اگر یہ پہلی جگہ یتیم لڑکے اور لڑکیوں، دونوں کے لیے ہے تو اسے دوسری جگہ بھی اسی معنی میں ہونا چاہیے۔

'اِقْسَاط' کے بارے میں یہ تو معلوم ہے کہ اس کا مطلب انصاف کرنا ہے، مگر عربی زبان میں اس انصاف کا ایک اور محل بھی ہے۔ ہم اپنی زبان میں بھی اگر یہ کہنا چاہیں کہ تم نے اس کام کو، جیسا کہ اس کا حق ہے، انجام نہیں دیا تو اس کے لیے ہم کہتے ہیں کہ تم نے اس کام کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ آیت میں 'اِقْسَاط' اسی معنی میں آیا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اول تو یہ 'اِلٰی' یا 'بَیْنَ' کے بجاے 'فِیْ' کے ساتھ متعدی ہوا ہے اور اس کے بعد 'الْيَتٰمٰى' کا ایک مضاف بھی محذوف ہے۔ اسے بیان کر دیا جائے تو تالیف کلام یوں ہوتی ہے: 'وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِيْ اُمُوْرِ الْيَتٰمٰى'۔ یعنی تمھیں اگر اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کی ذمہ داریاں، جیسا کہ ان کا حق ہے، ادا نہ کر سکو گے۔ غرض یہ کہ آیت میں کسی یتیم یا پھر یتیم لڑکیوں پر ہونے والے کسی ظلم کا بیان نہیں کہ مذکورہ آرا میں سے کوئی راے اختیار کی جائے جو اتفاق سے

سب کی سب ’اِقْسَاط‘ کے اسی مفہوم پر کھڑی ہیں۔

دوسری بات جو یہاں طے ہو جانی چاہیے، وہ آیت میں موجود شرط اور جزا کے درمیان میں پائی جانے والی مناسبت ہے۔ ’وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی‘ اور ’فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ‘، یہ دونوں فقرے آپس میں شرط اور جزا کے طور پر آئے ہیں۔ اگر ’یَتَامٰی‘ اور ’اِقْسَاط‘ کا مطلب وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا تو پھر ان آرا میں پائی جانے والی شرط اور جزا کی باہمی مناسبت بے معنی سی ہو جاتی ہیں۔ اب پہلی راے کے مطابق بات یوں ہو گی: اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ تم ان یتیموں کا حق ادا نہ کر سکو گے تو ان کو چھوڑ کر کسی اور عورت سے شادی کر لو۔ دوسری راے کے مطابق شرط اور جزا یہ مفہوم دیں گی: اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ تم ان یتیموں کا حق ادا نہ کر سکو گے تو چار سے زیادہ شادیاں نہ کرو۔ تیسری راے یوں ہو گی: اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ ان یتیموں کا حق ادا نہ کر سکو گے تو عورتوں کا بھی حق ادا کیا کرو۔

اصل راے کی تائید میں چند ایجابی باتیں مزید بھی کہی جا سکتی ہیں:

ایک یہ کہ ’مِنَ النِّسَآءِ‘ پر ایک الف لام آیا ہے جس کو اگر کھول دیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ اس سے یتیموں کی عورتیں ہی مراد ہیں۔ اولاً، یہاں الف لام جنس کے بجائے معہود کے لیے زیادہ موزوں ہے اور سباق کو ملحوظ رکھا جائے تو یہ ’الْیَتَامٰی‘ سے معہود قرار پاتا ہے، یعنی ان یتیموں کی عورتیں۔ ثانیاً، اس کے بعد آنے والی آیت میں تاکید کی گئی ہے کہ ان عورتوں کے حق مہر خوش دلی سے ادا کیے جائیں۔ ظاہر ہے، خوش دلی سے ادا نہ کرنے کا مسئلہ یتیموں کی عورتوں کے بارے میں پیدا ہو جانا زیادہ قرین قیاس ہے، اس لیے کہ یہ نکاح اصل میں انھی کے بچوں کی فلاح اور بہبود کے لیے کیے جا رہے ہیں۔ ثالثاً، لوگوں نے جب اس کے بعد بھی استفسار کیا تو قرآن نے یہاں کے اجمال کو آگے جا کر لفظوں میں بھی کھول دیا ہے۔ فرمایا ہے: ’وَمَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ فِی الْکِتٰبِ فِیْ یَتٰمَی النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا کُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْکِحُوْهُنَّ‘[9]، یعنی وہ عورتیں جن کے ساتھ تم نکاح کرنا چاہتے ہو، مگر حق مہر ادا نہیں کرنا چاہتے، ان کے یتیموں کے بارے میں جو ہدایات اس کتاب میں دی جا رہی ہیں، ان کے بارے میں اللہ تمھیں فتویٰ دیتا ہے۔

دوسرے یہ کہ آیت میں یتیم بچوں کے اُن سرپرستوں سے خطاب ہے کہ جن کے خیال میں وہ تنہا ان ذمہ داریوں کو ادا نہیں کر پا رہے۔ ظاہر ہے، ان سے یہی کہنا چاہیے تھا کہ وہ اس کام میں دوسروں کو اپنا شریک کر لیں۔ پھر یہ کام

[9] النساء ۴: ۱۲۷۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

بچوں کی نگہداشت اوران کی دیکھ بھال کا تھا،اس لیے مردوں کے بجاے عورتوں کواس میں شریک کرلینا زیادہ موزوں ہوتا۔ نیز وہ عورتیں اگرانھی یتیم بچوں کی رشتہ دار ہوتیں تواس سے پیش نظر مقصد آخری درجے میں پورا ہو جاتا کہ اس سے ان بچوں کی کفالت کا بندوبست تو ہوتا،انھیں اپنا گھر اور خاندان بھی میسر آجاتا اور وہ اس میں اجنبی اور بے سہارا یتیم کی حیثیت میں نہیں، بلکہ ایک رشتے دار کی حیثیت میں رہتے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور لوگوں کو حکم دیا گیا کہ تم انھی یتیموں کی عورتوں سے نکاح کرلو۔

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com